ریت میں پاؤں دھنستے تھے۔
اور سو میٹر کے فاصلے پر دریا کی روانی تھی... راوی کے پانی تھے۔
— اس دھرتی پر اپنا سایہ کیجئو اے گانگا — یمونا — شندری — پاروشنی او
سرسوتی۔
اور سو میٹر کے فاصلے پر دریا کے پانی تھے... پاروشنی کے پانی تھے۔
ریت میں پاؤں دھنستے تھے اس لیے مشاہد نے مردان کے بارے میں سوچا کہ اچ
ہوا وہ نہیں آیا ورنہ اُسے یہاں چلنے میں بہت دشواری ہوتی۔ اُس کا پاؤں ریت میں بہ
گھستا۔
"تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے تمہاری اُن چار مرغابیوں کا کیا کیا جن
تعلق خوشی سے نہیں تھا —" مشاہد چلتے چلتے رُکا لیکن کچھ کہا نہیں اور پھر چلنے لگا۔
"میں نے اُنہیں رنجیت سنگھ کی پوتی کے ہاں بھجوا دیا تھا —"
"اُسے مرغابیاں پسند ہیں؟"
"پتہ نہیں — مجھے تو ٹھیک طرح سے یہ بھی معلوم نہیں کہ رنجیت سنگھ کی پ
ابھی تک زندہ بھی ہے یا نہیں —"
"بہت کم لوگ اُس کوٹھی کے اندر گئے ہیں —"
"وہاں کچھ چھپایا جا رہا ہے — پتہ نہیں کیا — رات کو بھی روشنی نہیں ہوتی
بے شمار کتے ہیں جو جنگلی حالت میں اُس کے اُجڑے ہوئے لان میں گھومتے رہتے ہیں
صرف مس پیر باہر آتی ہے اور... بہرحال میں نے مرغابیاں اُنہیں بھجوا دی ہیں —"
"اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ان مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —"
اس بار چلتے چلتے برگیتا رُکی، شاہد کو دیکھا کہ اُسکے چہرے پر کیا ہے، لاپروائی یا
ٹھہراؤ.. کچھ بھی نہیں تھا — اور وہ چلنے لگی۔
اُن کے پاؤں تلے آتی ریت میں گیلاہٹ کی نمی آنے لگی۔ "میرا خیال ہے
دُور دُور تک کوئی نہیں جو ہمیں دیکھ سکے —" مشاہد نے اپنے چار چفیرے نظر دوڑ
ہوئے ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا، وہاں درخت تھے، کھیت اور راستے تھے لیکن کوئی
روح نہ تھا "یہیں ٹھیک ہے —" اُس نے پکنک باسکٹ ریت پر رکھی اور پسینہ پ
ہوئے بیٹھ گیا، ریت اُسکے بدن کے بوجھ سے اِدھر اُدھر سرکی اور پھر وہ اُس میں رفت ہو

"کچھ لو گی؟" اُس نے باسکٹ میں سے سینڈوچز کا ایک پیکٹ نکالا۔

"نہیں — " پہلے وہ کام جس کے لیے ہم ہر کرسمس پر یہاں آتے ہیں۔" برگیتا ہے اپنے کولہے پر کسے جین کے بٹن کو چھُوا اور پھر آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجہ جما کر انتہائی غور سے چاروں طرف دیکھا "نہیں یہاں کوئی نہیں ہے۔" اُسے پنڈلیوں اور رانوں پر کسی ہوئی جین اتارنے کے لیے خاصا تردّد کرنا پڑا۔

"تم آؤ گے؟"

مشاہد باسکٹ میں سے کچھ تلاش کر رہا تھا جب اُس نے پوچھا کہ تم آؤ گے... اور وہ اُس پر ایک سیاہ کلاسس آف رہوڈز کی طرح ٹانگیں پھیلائے کھڑی تھی اور سورج کو روکتی تھی جو اُس کی پشت پر تھا۔ اُس نے اُسکے پورے بدن کو اور ایک ایک پور اور اُبھار کو حیرت سے دیکھا اور اُس نے اُسے دیکھنے دیا... یہ ایک سیاہ سحر تھا جو وہ اُس پر پھونکتی تھی۔

"نہیں میں نہیں آؤں گا — تم ہو آؤ۔"

برگیتا پاؤں ریت میں سے نکالتی ہوئی پانی کی طرف چلنے لگی۔ ان خطّوں کے لوگ دریاؤں اور ندیوں سے کیوں جھجکتے ہیں۔ یہ نہانے کے لیے ہیں اور تیرنے کے لیے ہیں لیکن یہاں کیا ہوتا ہے؟ مرد کناروں پر بیٹھ کر تربوز کھاتے ہیں اور اُن کے چھلکے پانیوں میں پھینکتے ہیں اور عورتیں اگر بہت دلیر ہو جائیں تو پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ جاتی ہیں — پانی اور کپڑے کا کوئی ساتھ نہیں... انسان پانی میں جائے تو ایسے ہی جائے جیسے وہ جا رہی تھی... دریا کی باس اُس کے پوروں میں رچ کر اُس کے خون میں شامل ہو رہی تھی۔

اُس نے پہلا قدم پانی میں رکھا تو جھجکتے ہوئے رکھا... اگرچہ وہ اُس کی سرد اور گیلی کاٹ کے لیے تیار تھی لیکن اِس کے باوجود پانی بہت زیادہ یخ تھے اور وہ تھرتھرائی اور پورے بدن سے تھرتھرائی۔ پھر دوسرے قدم پر اُسکی یخ بستگی قدرے کم ہوئی اور پھر اُس کے پاؤں اُس میں ایسے اُٹھنے لگے جیسے وہ عام زمین پر چلتی ہو۔ دس بارہ میٹر کے بعد پانی ذرا گہرا ہونے لگا اور وہ اُسے اپنے بدن پر چڑھتے اور ٹھنڈک اترتے محسوس کرتی آگے ہوتی گئی۔ اور وہاں اتنا پانی تھا کہ وہ اگر بیٹھ جائے تو گردن تک آئے اور اُس میں اپنے آپ کو دھو سکے تو وہ اُس میں بیٹھ گئی.... وہ مزید آگے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی، راوی ایسا دریا نہیں تھا جس کی تہہ برابر ہو اور انسان اُس کے اوپر سطح پر تیرتا رہے.. کہیں وہ کمر تک آتا تھا اور کہیں یکلخت سینکڑوں میٹر گہرا ہو جاتا تھا...

اُس نے اپنی ناک دریا کی سطح پر رکھی اور دوسرے کنارے کو دیکھا۔ سنگا گاؤ
کی پرانی فصیل کے گرد اُترتی شام کی سیاہی پھیل رہی تھی.. اور بالکل چُپ تھی- پانی
چلنے کی سرسراہٹ بھی نہ تھی — پانی برگیتا کی کمزوری تھا.. یوٹے بورگ میں بھی گر
کوئی دن ہو گا جب وہ دریائے یوٹا میں کود کر دوسرے کنارے کو ہاتھ لگا کر واپس نہ آ
ہو- راوی کا پانی یوٹا کی نسبت پھر بھی گرماہٹ لیے ہوتا تھا اور یہاں چُپ تھی اور وہا
بندرگاہ کی جانب سے آتے ہوئے سٹیمرز اور جہازوں کے بھدے ڈکراتے ہوئے ہارن.. ا
وہاں کا پانی بھی بہت گاڑھا تھا، جانے اُس میں کیا کیا آکر ملتا تھا، آئل، کوڑا کرکٹ، سیورج
صنعتی فضلہ لیکن راوی ابھی تک — صاف اور ہلکا اور بدن کو نئی زندگی دینے والا تھا....
اِس دھرتی پر اپنا سایہ کیجئو اے گانگا — یمونا — شُتُدری — پاروشنی ا
سرسوتی-

اُس نے ناک کو دونوں اُنگلیوں سے بھینچا اور ڈبکی لگا کر پانی کے اندر گئی اور اُ
دنیا میں ہلکی بڑبڑاہٹیں تھیں اور ہر شے اُوپر کو اُٹھ رہی تھی اور وہ ست ہوتی تھی تب اُ
کا سانس کم ہوا اور اُس کا سر سطح کے اوپر آگیا... دسمبر کی شام پانیوں کے اندر تک جار
تھی اور اسکی سردی اب برداشت سے باہر ہونے لگی تھی-

آج صبح مشاہد کی بوڑھی باجیاں اُسے یوں تو کرسمس کی مبارکباد دینے آئی تھ
لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اُسے اُسکی اوقات یاد دلانے کے لیے آتی ہیں اور دھواں دار رو
دھونے اور ایک دوسرے کو آنسو اور ناکیں پونچھنے کے لیے ٹشوز سپلائی کرنے کے دورا
اُنھوں نے اپنے باپ چوہدری اللہ داد خان کی آل کے ممکنہ اختتام کے بارے میں نہای
دردناک طریقے سے اظہار رائے کیا تھا اور نہایت واضح مگر معزز لہجے میں اس خدشے
اظہار کیا تھا کہ چوہدری اللہ داد خان کی آل کے خاتمے کا واحد سبب برگیتا کا بنجر ہونا ہے.. ا
برگیتا نے ہمیشہ کی طرح اُن کی بات کو ہنس کر ٹال نہیں دیا تھا بلکہ وہ جواب دیا تھا جس
نتیجے میں ہر دو باجیاں اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی تھیں اور سرہلاتی تھیں اور یقیناً انہوں
آئندہ یہ اعتراض کبھی نہیں کرنا تھا کیونکہ برگیتا نے اُنہیں نہایت کیشول طریقے سے ج
ہم بتاتے ہیں کہ آج کیا پکا ہے یا آج موسم بہت اچھا ہے تو اسی طرح اُس نے اُن دونوں
بتایا تھا کہ تمہارے بھائی جان سے شادی کرنے سے پیشتر میں کم از کم تین مرتبہ پر یگننٹ
ہوئی تھی اور کیا وہ کچھ ابورشن رپورٹس دیکھنا پسند کریں گی؟ —

برگیتا کے پانی میں ڈوبے ہوئے جسم کے ساتھ جیسے کوئی سرسراتا سانپ لپٹا اور اُسکی
ئی زبانیں اُس کے اُبھار اور بیچ کو چاٹنے لگیں۔ ایک ڈر کی ہچکی اُس کے مُنہ سے نکلی اور
ہ نوکدار کانوں والے سیاہ بلے کی طرح ٹھٹکی اور اُس کے ننگے وجود پر خوف سے کانٹے
اُبھرے اور وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کے ابھاروں پر ٹھہرا پانی دریا میں شپ شپ گرا۔
ہ سرسراتی ہوئی شے اُس کے پیروں سے لپٹ رہی تھی۔ وہ جھکی اور ڈرتے ڈرتے پانی میں
وں کے گرد ہاتھ پھیرا — اُس کا ہاتھ پانی سے باہر آیا تو اُس میں ایک بدبودار پلاسٹک
ب تھا — ایک سیاہ رنگ کا پلاسٹک شاپنگ بیگ... اور اُسکے ساتھ ہی اُسے پہلی بار
حساس ہوا کہ پانی میں تیز بُو بھی تھی... وہ جلدی سے باہر آ گئی...

"کیا ہوا؟" مشاہد نے اُسے اپنی جانب تیزی سے آتے ہوئے دیکھا... "اور
مارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"ایک شاپر بیگ —" اُس نے بیگ کا لفظ ایک اُبکائی کے ساتھ ادا کیا "مشیل
اوی میں بُو ہے.... پانی صاف نہیں ہے —"

"ان دنوں پانی کم ہیں اور لاہور شہر کا سیوریج زیادہ — تمام گندے نالے اسی میں
رتے ہیں.... ہمیں ڈاؤن سٹریم نہیں آنا چاہیے تھا —"

"مجھے اپنے آپ سے بُو آ رہی ہے.. ٹائلٹ کی.... پلیز جلدی سے واپس گھر چلو....
ں یہاں نہیں ٹھہر سکتی..." برگیتا بار بار اپنے مُنہ کے آگے ہتھیلی رکھتی تھی جیسے کچھ باہر آ
ئے گا اور وہ اسے روکتی تھی اور اُبکائیاں لیتی تھی.. "راوی کو کیا ہو رہا ہے مشیل؟"

وہاں جتنے بھی درخت تھے، جھاڑ رے یا گھنے اور جو سب کے سب پرانے تھے،
ن، کچنار، شیشم، دھریک، املتاس وغیرہ تو اُن سب کی ٹہنیوں اور پتوں کے گرد اور اُن
، جھنڈ کے اندر کرسمس لائٹس کہیں دکھائی دیتی تھیں کبھی چھپ جاتی تھیں اور ان کے
چے ایک میز تھی دو کرسیاں تھیں اور میز پوری طرح آراستہ تھی صرف خوراک کی کسر
ا اور جب مشاہد اور برگیتا کی جیپ دسمبر کی رات میں سات کمروں والی کوٹھی کے اندر
خل ہوئی تو برگیتا نے درختوں کو یوں جگمگاتے دیکھا تو اُس نے ایک پُرمسرت خصوصی
ڑش ہچکی بھری — اور اُس لمحے اوپر جامن کی ایک کچی ٹہنی پر مزے سے بیٹھا مردان
اور اُس نے جھک کر برگیتا سے کہا — بھابھی، شہر میونخ میں آج کرسمس ہے۔

مردان نے انتظار کیا۔

گرم پگھلی ہوئی موم کے سیال دائرے میں تیرتے چھوٹے سے فیتے کا شعلہ دھواں دینے لگا، سیاہ پوش ہوا، تب اُس نے اُنگلی سے اُسے چھُوا.... گرم موم کی ایک اُس کی پور پر بچھی اور دسمبر کی یخ میں فوراً سرد ہو کر اکڑ گئی... اُس نے ران پر رکھے کو اُٹھا کر دوسرے ہاتھ کی اُنگلی پر جمی موم کی اکڑی ہوئی تہہ کو چھُوا تو وہ ایک چھلکے کی اُتر گئی.. موم بتیاں بجھنے پر وہ اندھیرا جس میں برگیتا اب کم دکھائی دیتی تھی گھنا اور قریہ گیا... ہاں جب بھی وہ مسکراتی اس کے دانت تاریکی کے پردے پر نمایاں ثبت نظر لگتے...

"بھرجائی —"

برگیتا نے ایک ہچکی بھری۔

"آپ خوش ہیں؟"

"ہاں —" اُس کے دانت پھر دکھائی دیئے "جامن، کچنار، املتاس کے ان کر ٹریز تلے... کرسمس کی اس رات میں جو اگرچہ سفید نہیں ہے... تمہارے ساتھ... میں ہوں.. جب تم نے آخری موم بتی کی پگھلی ہوئی موم کو چھُوا تو اُس کی بہتی ہوئی گر میں نے اپنے پوروں پر بھی محسوس کیا... اور میں... ہاں اِس لمحے تو میں خوش ہوں —

برگیتا نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کر دیا.. وہ اُس پر جُھکا کہ وہاں اُس کی اُنگلیوں پر کی شاخوں میں پروئی ہوئی کرسمس لائٹس کی روشنی بہت مدھم تھی... موم کی ایک پتلی ایک چھلکا ابھی تک برگیتا کی اُنگلی پر نظر آتا تھا۔ اُس نے بے یقینی سے اُسے دیکھا "لیکن موم کو تو میں نے چھُوا تھا —"

"اور اُسے محسوس میں نے کیا تھا —"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیونکہ اِس لمحے میں خوش ہوں۔"

"اور جو لمحے گذر گئے اور جو آئیں گے اُن میں؟"

"جو گذر گئے وہ تو گذر گئے اُن کی خوشی ناخوشی اِس اندھیرے میں ہے جو درختوں کے نیچے ہمیں دیکھتا ہے اور جو آئیں گے اُن کے بارے میں مَیں ابھی سے کیسے کہہ سکتی ہوں کہ وہ کیسے ہوں گے — یا کہہ سکتی ہوں؟"

برگیتا نے بھی مردان کے دانتوں کو نمایاں ہوتے دیکھا اور اُس کی ہنسی کی آواز کو آج صبح کی طرح اُس نے طویل کمرے میں لیٹے ہوئے سنا۔ وہ بے حجاب ہنسی جو مشاہد کی رفاقت میں جنم لیتی تھی اور اُسے حسد میں مبتلا کرتی تھی۔

"ہاں۔ یہ حماقت آمیز سوال تھا —"

"لیکن مجھے ایک بات کا یقین ہے مردان — خوشی کا چار مرغابیوں سے کوئی تعلق نہیں —"

مردان چپ ہو گیا۔ وہ ابھی تک برگیتا کی اُنگلی پر جمے موم کے چھلکے کی اُلجھن میں تھا — اور وہ کچھ دیر یونہی ڈھلتی رات کی سرد شدت میں اپنے آپ میں چپ رہا۔

"چار مرغابیاں؟" بالآخر وہ بولا۔

"ہاں... ایک شیولر اور تین نیل سر —"

"یقیناً —" اُس نے سر ہلانا شروع کر دیا جیسے وہ اِس گتھی کو آسانی سے سلجھا چکا ہو۔

وہاں خودرو گھاس پر، درختوں کے نیچے، کرسمس لائٹس کی ناکافی روشنی میں صرف ایک میز تھی اور دو کرسیاں — اور جب تک مشاہد اور برگیتا اس کے تیار کردہ کرسمس ڈنر پر جھکے رہے اور روسٹ ٹرکی کی خستگی اور برسلز سپراؤٹس کی سبز گھلاوٹ سے لطف اندوز ہوتے رہے وہ اُن کے اصرار کے باوجود ایک مؤدب اور تمیز دار ویٹر کی طرح جُھکا کھڑا رہا اور ہر چند لمحوں کے بعد آگے ہو کر نظریں جُھکائے صرف یہ دریافت کرتا کہ — موسیو مجھے اُمید ہے کہ ٹرکی آپ کی پسند کے مطابق ہے اور مادام کیا فرنچ فرائز آپ کی خواہش کے حساب سے کرسپ ہیں... اور پھر اپنے آپ کو اُسی طرح جُھکا ہوا نیم تاریکی میں لے جاتا۔ برگیتا نے پہلے تو والہانہ مسرت اور محبت سے اُس کی منت سماجت کی کہ وہ اُن کے ساتھ ڈنر میں شریک ہو اور پھر نہایت سنجیدگی سے اُسے ڈانٹا لیکن.. وہ اس معاملے میں پتھر

ہو چکا تھا — نہیں مادام... کرسمس کی اِس رات میں اِس سرسبز اوپن ایئر ریستوران
صرف ایک ٹیبل اور دو کرسیوں کی گنجائش ہے... اور یہ ٹیبل ہمیشہ کے لیے مخصوص
چکی ہے موسیو مشاہد علی اور مادام برگیتا برکت علی ایزبرگ کے لیے — ریزروڈ.. فار ا
اور میں تو ایک پُرانکسار اور خدمت گذار ویٹر ہوں.. کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ماد
موسیو؟

کھانے کے فوراً بعد مشاہد اٹھ کھڑا ہوا... تم دونوں بیٹھو... میں کچھ تھک چکا ہو
برگیتا کا ہاتھ اُس کے ماتھے کے ساتھ لگا تو وہ فکر مند ہو گئی "بخار تیز ہے۔
تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"نہیں —" مشاہد کی آواز میں وہ سختی تھی جس کے سامنے اِنکار کی گنجائش
ہوتی "تم بیٹھو — میں بہت تھک چکا ہوں... میرا دن تم سے بہت پہلے شروع ہوا
قادر آباد کی جھیلوں پر... ایک شیولر اور تین نیل سر... یاد ہے؟" ہاں، آج صبح جب
برگیتا کے پیچھے صرف جین پہنے طویل کمرے سے باہر آ گیا تھا تو اُس کے بدن نے اُ
خبردار کیا تھا... بس اسی لیے... اُسے اپنی ڈھلتی ہوئی عمر کی عادت نہیں ہو رہی تھی۔

"بھائی جان —"

"تم ایک معمولی ویٹر ہو۔" اُس نے مردان کے سینے پر اُنگلی رکھ کر اُسے ذر
دھکیلا "اور گاہکوں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتے" — یہ کہتے ہوئے م
کی آواز کی سختی میں وہ نرمی در آئی جسے برگیتا نے فوراً محسوس کیا تو ایک بار پھر وہ حسد
کچھ جلی... یہ دونوں ایک ایسی بریڈ تھے جو اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں کرتی... م
نے بڑے اہتمام سے اپنی خالی نشست پر مردان کو بٹھایا اور پھر سجے سجے چلتا کرسمس لا
کی ناکافی روشنی سے پرے سات کمروں والی کوٹھی کے برآمدے کی جانب اندھیرے
شامل ہو گیا۔

"تو گویا خوشی کا چار مرغابیوں سے کوئی تعلق نہیں —" وہ بدستور سر ہلاتا جا
تھا۔

"مجھے بھی کچھ ٹھیک سے معلوم نہیں مردان — یہ تو تمہارے بھائی جان کا فل
ہے — اور تازہ ترین۔ آج صبح ہی ایجاد ہوا ہے —"

"بھرجائی — آپ مجھے معاف کریں گی اگر میں کہوں کہ یہ... فلسفہ میری سمجھ

نہیں آ سکا.. یعنی میں تو حیران پریشان.. بلکہ جنگل بیابان —"

"میں تو تمہیں تب معاف کروں جب یہ میری سمجھ میں آیا ہو —"

شاید وہ دونوں اپنے آپ میں ہو کر بے اختیار مسکرائے اور پھر خاموشی کا ایک طویل وقفہ جس میں مردان کے ذہن پر موم کے وہ چھلکے تھے جو نہ چھونے کے باوجود برگیتا کی پوروں پر تھے اور برگیتا کی پوروں میں مشاہد کے ماتھے کی حدت تھی جو اُسے بے چین کرتی تھی اور اُوپر جامن کی کچی ٹہنیوں میں کوئی پرندہ اُلجھا اور کرسمس لائٹس جھولنے لگیں۔

وہ دسمبر کی یخ میں.. سرد رات میں اپنے بدنوں میں سمٹتے تھے لیکن ابھی وہ اس سردی کو سہار سکتے تھے۔

"تم شوبھا کو اِس بار بھی اپنے ساتھ نہیں لائے؟"

"بس نہیں لا سکا —"

"تم مجھ سے.. اور اپنے بھائی جان سے بھی اسے چھپاتے ہو... ہم نے کتنی بار اُسے دیکھا ہے؟ صرف دو بار... کیا وہ ہمارے بارے میں سوال نہیں کرتی؟"

"وہ..." مردان پھر چپ ہو گیا.. اُس پر بوجھ آ گیا شوبھا سے اتنے دنوں تک الگ ہونے کا..

"وہ..." بالآخر اُس نے ایک سرد سانس بھر کر کہا "صرف آپ دونوں کے بارے میں ہی سوال کرتی ہے.. اِدھر ہوا میں یخ بہت ہے.. خاص طور پر دسمبر میں.. اور وہ سردی کو سہار نہیں سکتی.. کراچی میں کتنی سردی ہوتی ہے؟... اور وہاں جب کبھی قندھاری ہوا کا ایک جھونکا آئے تو وہ ایک آدھ نہیں متعدد کمبلوں میں دُبک جاتی ہے اور اگر صرف اپنی کیوٹ ناک باہر نکالے تو وہ بھی سُرخ ہو جاتی ہے —"

"یہ تو کوئی بہانہ نہیں —"

"اور یہ اُس کا فائنل ایئر ہے..."

"ہاں.. یہ بہانہ ہو سکتا ہے.. اگرچہ میں اِسے بھی قبول نہیں کرتی۔"

ملیر کینٹ کی بیرک نمبر تین کے چوبی برآمدے میں ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اُدھر جدھر کچے راستے پر سے دُھول اُٹھتی ہے وہ شوبھا اب یہاں تھی جامن، کچناز اور املتاس کے درختوں تلے مردان کے آس پاس.. "وہ بہت فریجائل ہے بھرجائی... اُس کے ٹوٹنے کا

خدشہ رہتا ہے.. اور اُس کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا ٹوٹتا رہتا ہے.. اور میں جوڑتا رہتا ہوں.. ی
لاہور میں، اپنی ساڑھی میں وہ بہت الگ نظر آتی ہے اور لوگوں کی نظریں آ جاتی ہے
میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگوں کی نظروں میں آئے... اُن کی نظریں سوال کریں کہ یہ
ہے.. کہاں سے آئی ہے —"

"وہ یہاں آ کر... میری طرح شلوار قمیض بھی تو پہن سکتی ہے.. اُس کا فگر
زبردست ہے اور وہ اس پنجابی پہناوے میں بہت زبردست لگ سکتی ہے —"

"نہیں —" وہ آہستہ سے بولا "اِس پہناوے سے ناریل کے تیل کی مہک
آئے گی... پام کے درختوں کو دوہرا کرنے والی تیز ہوا تھم جائے گی جو چوہدری اللہ داد
بوکس کیمرے میں قید ہو کر مجھ تک پہنچی تھی.. تم سمجھتی ہو ناں بھرجائی؟"

"نہیں —" برگیتا نے ہچکی بھری۔

"آپ کو سمجھنے میں دشواری ہو گی.. جن کی تاریخ میں گھاؤ ہوتے ہیں صرف
سمجھ سکتے ہیں اگر وہ سمجھنا چاہیں تو... اُسے حق حاصل ہے لباس کا... خوراک کا... اور ز
کا... میری بنگالی بہت بُری ہے اور وہ تو بنگالی سمجھتی ہی نہیں اور اس کے باوجود میں کو
کرتا ہوں.. اور پھر وہ بہت ہنستی ہے اور بھرجائی جب شوبھا ہنستی ہے تو..." وہ چپ ہوا
بیرک نمبر تین کے چوبی برآمدے میں جہاں بیٹ مین بشیر اُس کے بوٹ پالش کر رہا
وہاں... بیرک نمبر دو کے گرینڈ فادر کلاکس کے مکلی کے قبرستان کے زرد دوپہر پتھروں
قید سپاہیوں۔ گل بوٹوں اور نقش و نگار کی قربت میں.. ایک سرپر سے گذرتے اور ا
پہیے کھولتے جیٹ کے پُرخراش شور میں — وہ چپ ہوا اور اس دوران برگیتا نے اُس
چہرے پر نظریں رکھیں کہ وہ اُن تصویروں سے آشنا ہونا چاہتی تھی جو اُس کے ذہن
پردے پر متحرک تھیں اور پھر وہ واپس آیا تو گویا ہوا "وہ ہنستی ہے تو میرے لیے
کائنات معدوم ہو جاتی ہے اور صرف شوبھا کا چہرہ رہ جاتا ہے.. باقی سب کچھ دھندلا جاتا
— وہ ہنستی ہے اور کہتی ہے — بابا — اور میں جواب میں کچھ بولتا نہیں تو وہ پھر
ہے — بابا آپ بولتے کیوں نہیں — اور وہ نہیں جانتی کہ جب وہ "بابا" کا لفظ کہتی
تو میرے وجود میں کیسی کیسی رنگا رنگ پھلجھڑیاں پھوٹتی ہیں.. وہ نہیں جانتی۔"

"مردان —" برگیتا نے بہت دیر سے اُس کے میز پر رکھے ساکت ہاتھ پر اپنا
رکھا "اتنا شدید لگاؤ انسان کے لیے اچھا نہیں — اولاد کے لیے بھی نہیں — یہ مرض

سکتا ہے..."

"لیکن تاریخ کے گھاؤ میں جتنی نفرت ہے کیا میرا لگاؤ اتنا ہی شدید نہیں..."

"اُس نفرت کے تم ذمہ دار نہیں ہو مردان —"

"میں نہیں تو پھر کون ہے بھرجائی.." مردان کا چہرہ کرسمس لائٹس کی مدھم لَو میں بھی متغیر ہوا "میں یہی تو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ذمہ دار کون ہے — اتنے برس ہو گئے مجھے یہ سوال پوچھتے ہوئے کہ ذمہ دار کون ہے — اور اس سوال کا آغاز میں اس اعتراف سے کر رہا ہوں کہ میں بھی ذمہ دار ہوں —"

"کوئی اور بات کرو مردان —"

مردان کو دیکھ کر برگیتا کے سر میں اَن ہونے خیال اور وسوسے کروٹیں لیتے تھے.. یک سرکش سا کاؤ بوائے، پیچیدہ اور پُرکشش لیکن ایسا چائلڈ لائک کہ اُسے دیکھ کر ماں بننے کو جی چاہتا ہے اس کے باوجود کہ یہ مجھ سے دوگنی عمر کا ہے اس کے باوجود — وہ اکثر اُلجھن میں رہتی تھی کہ مشاہد کون ہے اور مردان کیا ہے — اور کس کے بارے میں اُس کے کیا احساسات اخلاقیات کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ ترازو کے دو پلڑے تھے... جو ابر تھے... پر یہ برابر ہونے تو نہیں چاہئیں...

"بھرجائی ذرا اوپر دیکھیں —"

اُس نے اپنا چہرہ شاخوں سے لٹکتی کرسمس لائٹس کی طرف کیا... اور پھر سوچا کہ ہوں.. اُس نے اُسے اوپر دیکھنے کے لیے کیوں کہا تھا... اس سے پیشتر کہ وہ پوچھتی مردان نے مسکرا کر "شکریہ" کہا اور پھر اپنی بڑھتی ہوئی داڑھی کھجا کر بولا "بچے نہ ہونے سے کچھ کمی تو ہوتی ہے زندگی میں..."

"یہ کیا سوال ہے — جو بھی قدرت کا معمول ہے اس معمول سے ہٹ کر جو قدرت حال ہو اگرچہ وہ آپ کے اختیار میں نہ ہو تو کمی کا احساس تو ہوتا ہے — عورت کے بدن کا امتحان بچے کی پیدائش ہے کہ وہ کہاں تک تخلیق کے لیے کھنچ سکتی ہے، سہار سکتا ہے تو میں ابھی اس امتحان سے نہیں گذری تو کمی تو ہو گی لیکن میں نے ابھی اِسے مسئلہ نہیں بنایا.. اپنے لیے یا مشاہد کے لیے — ابھی وقت ہے اور تم نے مجھے اوپر دیکھنے کے لیے کیوں کہا تھا؟"

"جب آپ اوپر درختوں کی جانب دیکھتی ہیں تو کرسمس لائٹس آپ کے چہرے پر

پڑتی ہیں.. اور ساز بجتے ہیں اور برف گرتی ہے...؟"

برگیتا پھر سے ہنسی ایک مسرت کے گہرے احساس کے ساتھ اور پھر اُس کے اپنا ہاتھ رکھا اور اُس کا ہاتھ برف ہو رہا تھا "اور کیا یہ شہر میونخ ہے؟"

"ہاں —" اتنی بلند آواز سے اُس نے یہ "ہاں" کہا کہ وہ پرندہ جو تھوڑ پہلے شاخوں میں اُلجھا تھا اور ابھی تک اطمینان سے کسی تاریک ٹہنی پر بیٹھا اُنہیں تکتا پھڑپھڑا کر اُڑا اور پھر اُسی ٹہنی پر براجمان ہو گیا "اور چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی نہیں؟"

"بالکل نہیں —" برگیتا اُس کے پاگل پن میں شریک ہو گئی... مشاہد کا گر ابھی تک اُس کی ہتھیلی پر ثبت تھا... اور اُسے شک ہوا کہ اندھیرے میں مکمل اندھیر۔ وہ لَو دیتا ہو گا.. اور اُس لَو دیتی ہتھیلی کے نیچے ابھی تک مردان کا ہاتھ تھا اور وہ ابھ برف تھا "تم سیکس کے بارے میں کیا کرتے ہو مردان؟"

اُس نے چونک کر اپنا ہاتھ لَو دیتی ہتھیلی سے کھینچ لیا "وہاٹ ڈو یو مین؟"

"شادی کے بغیر — تمہیں Urge تو ہوتی ہو گی —"

اُس کا چہرہ ناکافی روشنی میں بھی سُرخ ہوتا دکھائی دیا "بھرجائیاں اِس قسم کے اور معیوب سوال دیوروں سے نہیں پوچھتیں —"

"اور کیا دیور بھرجائیوں سے آنکھ جھپکے بغیر پوچھتے ہیں کہ آپ نے بچے نہیں دیا تو اس سے زندگی میں کیا کمی رہ گئی ہے؟ ہم تمہارے قبائلی تعصب والے اور دیور تو نہیں ہیں — کہ ہیں؟"

"نہیں ہیں —"

"میں تمہارے بارے میں بہت سوچتی ہوں —" برگیتا نے حسب عادت ہچکی بھری "تم اپنی Sexual Urge کو کیسے Manage کرتے ہو؟"

ایک اور خاموشی ان کے درمیان در آئی..

"آئی ایم سوری.. اگر تم اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے ہو تو — نو پر

"مجھے Urge نہیں ہوتی۔" وہ یکدم بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہے — تم صحت مند ہو... ایک مرد ہو... یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن ہے —" اس بار پھر اُس نے اتنی بلند آواز سے کہا جیسے کہ اُ

"ہاں" کہا تھا کہ وہ شانت پرندہ جو تاریکی کی اوٹ میں آرام کر رہا تھا اپنے پَر پھڑپھڑا کر ایک اور ٹہنی پر منتقل ہو گیا۔ "اُس دسمبر میں... اُس لمحے میں جب اُنہوں نے سُندر بن کے گھنے سبز اور دلدل بھرے اندھیروں میں ایک اندھا دھند بھاگتے... جب کہ اُسے شعلوں ایسی جلتی جانور آنکھیں دیکھتی تھیں، اُسے... اُس کی شکست خوردہ وحشت کو ایک جال ڈال کر پکڑا تھا... تو اِس جال کے پہلے لمس نے... مجھے امپونٹ کر دیا تھا — مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے بھرجائی..."

اندھیرے میں بھی برگیتا کی سیاہ جلد نچڑی تو دکھائی دی۔

"آئی ایم سوری مردان —"

"نو پرابلم —" اُس کی آواز میں دکھ کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

"یہ تو بہت بڑی ٹریجڈی ہے — ایک مرد کے لیے — آئی ایم سوری —"

مردان کی آواز کی بلندی ہسٹریا کی جانب زینہ بہ زینہ بلند ہوتی تھی۔ اگرچہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھتا تھا لیکن قدرے بے قابو ہو رہا تھا "یہ اُس سے بڑی اور گمبھیر ٹریجڈی تو نہیں جس کی وجہ سے یہ ٹریجڈی ہوئی.. ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا — ایک فرد کا اور ایک قوم کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا —"

"میرا خیال ہے ہم کوئی اور بات کریں —"

"میں کتنی اور باتیں کروں بھرجائی —"

"سردی کچھ زیادہ ہو گئی ہے —"

"برگیتا برکت علی ایزبرگ کے لیے ایک سویڈش خاتون کے لیے لاہور کے دسمبر کی رات کا پچھلا پہر ناقابل برداشت ہے — نہیں بھرجائی... مجھے آپ دھوکہ نہ دیں... دسمبر ہم پاکستانیوں نے کتنی ڈھٹائی اور ریت میں سر چھپا کر برداشت کیا ہے آپ کو تو کوئی ابلم نہیں ہونی چاہیے.."

"اگلی بار شوبھا کو اپنے ساتھ لے کر آنا —"

مردان زینہ بہ زینہ نیچے آ گیا "بلیک میل بھرجائی..."

"ہاں۔ محبت میں بلیک میل جائز ہے —"

اُس کے پوروں پر جو موم کی تہہ اکڑی ہوئی تھی وہ پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ں کی گرمی نے دسمبر کی یخ کو بھی آسودہ کر دیا.. بیرک نمبر تین کے چوبی برآمدے میں،

کچے راستے پر نظریں جمائے شوبھا اور بیرک نمبر دو کے زرد دھوپ رنگ پتھروں کے اور گُل بوٹے دسمبر کی اس یخ کو آسودہ کرنے لگے "میرے پاس یہ آخری سال ہے فائنل ایئر اور اُس کے بعد ہاؤس جاب شروع... بیٹیوں کو کیسے بیاہتے ہیں میرا کوئی نہیں.. ذات برادری اور قبیلے میں بڑی آسائش رہتی ہے.. آپ اُس پر زُوم اِن کرتے ہیں.. لیکن ایک ایسی لڑکی جس کا کوئی حوالہ.. کوئی قبیلہ نہ ہو اُسے آپ کہاں بیاہتے ہیں بس یہی میری فکرمندی ہے —"

"بشیر... دے بیٹ مین ابھی تک تمہارے ساتھ ہے؟"

"ہاں — پُرانی وفاداریاں آسانی سے نہیں مرتیں.. سویرے میرے بوٹ پالش کرتا ہے، کپڑے اِستری کر کے ہینگر پر لٹکاتا ہے اور میری سپورٹس سائیکل کی ڈسٹنگ کر اُسے برآمدے کے ساتھ لگا دیتا ہے.. تب تک کھڑا رہتا ہے جب تک اُس کچے راستے میں نظر آتا رہتا ہوں... میں اُسے سمجھاتا ہوں کہ بشیر آئی ایم ناٹ اِن دے آرمی مور... ایک معمولی سکول ٹیچر ہوں.. اور وہ جواب میں مُحبت سے مسکراتا ہے اور سلیوٹ کر دیتا ہے... وہ شوبھا کا بہت خیال رکھتا ہے —"

"سردی بدن کے اندر تک سرایت کر رہی ہے مردان... درختوں تلے چاہے اُن تمہاری اریچ کی ہوئی کرسمس لائٹس ہی کیوں نہ روشن ہوں... سردی بہت ہوتی ہے. اندر چلیں.."

اور مردان معترض نہ ہوا.. وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے..

"اور آج کی شب اگر تم اپنی بھرجائی کے کہنے پر سات کمروں والی کوٹھی کے ایک کمرے میں بسر کر لو... تو کوئی حرج ہے — وہاں اُس سیلن زدہ کھنڈر میں — در بند نہیں ہو گا بوسیدہ ہے۔ ہوا آئے گی اور فرش پر گھاس اور کائی ہے —"

"ہاں حرج ہے۔" اُس نے جیسے پُرمسرت ہو کر کہا اور پھر برگیتا کے چوڑے مضبوط کندھوں کا ایسے سہارا لیا جیسے وہ ڈرنک ہو اور چلنے لگا.. "تم میری ڈارلنگ بھ آگاہ ہو کہ اُس دسمبر کے بعد میں ہمیشہ فرش پر سوتا ہوں... اس میں شائد میری تاریخ شامل ہو... میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ پُروقار طریقے سے ایک چارپائی سکوں... پتوں میں کھانا کھانا شاید اِن زمانوں میں پریکٹیکل نہیں ہے.. لیکن زمین پر ممکن ہے..."

پرندے نے جسے نیند کے ہلکورے آ رہے تھے اپنے نیچے میز اور کرسیوں کو خالی دیکھا تو آنکھیں بند کر کے نیند میں گم ہو گیا۔

اندھیرے میں اگرچہ دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن مردان کا پاؤں آج کچھ زیادہ گھستا تھا۔

لکشمی مینشن کے سہ منزلہ فلیٹوں کی لمبی مستطیل چھت پر مشاہد کی کھُلی آنکھوں
پر جو آسمان تھا اُس کی نیم تاریکی میں صرف ریگل چوک کے پار "سٹینڈرڈز" کے اوپن ایئ
ریستوران میں سجاوٹ کے قمقموں کی ہلکی روشنی تھی جو اس تاریکی میں آگے ہو کر بجھ
جاتی تھی اور اُس کے کانوں میں موسیقی اور تماشائیوں کا ہلکا شور تھا اور اُس شور کے
درمیان سڑک کے پار "سٹینڈرڈز" کی چھت پر شہر لاہور کی اکلوتی اور من پسند ڈانسر ایمی
ناچ رہی تھی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ اُس کے برابر میں مردان گچھا مچھا ہو کر ایسے نیند میں
گم تھا جیسے ابھی ماں کے پیٹ میں ہے اور پیدا نہیں ہوا۔ ہال روڈ کی جانب کھلتے ہوئے ان
فلیٹوں کی چھت مشترکہ تھی اور اُن سے کچھ فاصلے پر جو چارپائیاں تھیں اُن پر روشن او
مہروان کو ہونا چاہئے تھا اور اُن کے ماں باپ کو... دوسری جانب مینشن کے درمیان میں
باغیچے کے اردگرد جتنی چھتیں تھیں وہ بھی آباد تھیں... ہوا اُس کی جانب آتی تو اُن چھتو
کی کھسر پھسر بھی سنائی دینے لگتی.. وہ ابھی دو برس پیشتر گوالمنڈی کے علاقے سے اُٹھ کر
ادھر لکشمی مینشن کے اِس فلیٹ میں آئے تھے، عزیز و اقارب نے بہت سمجھایا کہ اِ
بے آباد اور سنسان علاقوں میں رہائش مناسب نہیں اور یوں بھی مال روڈ کے آس پا
صاحب لوگ رہتے ہیں اور دیسی حضرات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہُوا
یہی، پہلے روز جب گوالمنڈی والے پرانے مکان سے اُن کا سامان ایک ریڑھے پر لاد کر لا
لایا گیا تو وہ سامان کی حفاظت کے لیے گلی میں کھڑا ہو گیا۔ ریڑھا بقیہ سامان لانے کے
گوالمنڈی کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور وہ ایک اجنبی اور نامہربان قسم کے علاقے
قدرے نروس اور کچھ خوفزدہ اپنے ٹین کے ٹرنکوں اور ٹوٹی ہوئی چارپائیوں کے درمیان
کھڑا تھا... اُن کی حفاظت کر رہا تھا... تھوڑی دیر بعد اُس کے آس پاس چہل پہل شروع
گئی... یہ لڑکے اُسی کی عمر کے تھے یعنی نو دس برس کے لیکن اُن کی چال ڈھال اور و
قطع کچھ الگ اور کچھ انگریزی سی تھی۔ وہ اُس کے دھاری دار پاجامے، چپل اور

تیض کو دیکھتے اور پھر اپنی پتلونوں کی پچھلی جیبوں میں انگوٹھے اُڑس کر سیٹیاں بجاتے.. وہ اُسے کچھ کہتے نہیں تھے، صرف قریب سے گذرتے اور کسی ٹین کے ٹرنک پر طبلہ سا بجا کر گذر جاتے یا کسی چارپائی کی اُدھڑی ہوئی ادوائن کو کھینچ کر اُسی طرح پچھلی جیبوں میں نگوٹھا اُڑس کر سیٹیاں بجاتے ہوئے چلے جاتے... اور وہ آپس میں صرف انگریزی میں بات کرتے تھے.... اُن کا خیال تھا کہ یہ چوڑی دھاریوں والے کھلے پاجامے والا پینڈو سا بچہ نگریزی نہیں جانتا.... حالانکہ وہ جانتا تھا۔ رنگ محل مشن ہائی سکول کی گوری اور کالی ٹیچرز کو جتنی انگریزی آتی تھی کم از کم اتنی تو وہ جانتا تھا.... اور ایک مرتبہ جب اُن میں سے ایک ڑکے نے جس کی نیکر گھٹنوں تک لٹکتی تھی اُس کے قریب سے گذرتے ہوئے اُسے "بلڈی فول" کے خطاب سے نوازا اور یہ گالی اُن زمانوں میں یعنی 1950ء میں بے حد مقبول تھی تو مشاہد نے پلٹ کر اُسے ایک عدد جھانپڑ رسید کیا اور اس کے ہمراہ انگریزی میں ایک یسی خوشنما گالی جواب کے طور پر دی کہ سیٹیاں بجاتا، اُس کے آس پاس ٹہلتا اور اُس پر اور اُسکے دھاری دار پاجامے پر حقارت سے نظر ڈالتا یہ مسلمان، ہندو، پارسی اور عیسائی کراؤڈ ۔را تتر بتر ہو گیا...

گوالمنڈی اور لکشمی مینشن دو الگ دنیائیں تھیں اور وہ ابھی اس نئی دنیا کے ۔سوم و رواج سے آگاہ نہیں تھا۔

اس دنیا میں سرِشام نوجوان لڑکے مرکزی باغیچے کے چار چفیرے فٹ پاتھ کے ساتھ فلیٹوں کو جانے والی سیڑھیوں کے تھڑوں پر بیٹھے فرینک سناٹرا یا بِنگ کراسبے کے گیت نہ بگاڑ بگاڑ کر گاتے تھے۔ نان کباب نہیں کھاتے تھے بلکہ ایک کباب کو نان میں لپیٹ کر سے بطور برگر نوش کرتے تھے۔ صرف انگریزی فلمیں دیکھتے تھے اور صرف آخری دن یکھتے تھے کیونکہ آخری تین شوز پر شناختی کارڈ دکھانے پر سٹوڈنٹ کنسیشن مل جاتی تھی نی دس آنے کا ٹکٹ خرید کر سوا روپے میں نشست مل جاتی تھی — لیکن اُن دنوں س آنے بھی کس کے پاس ہوتے تھے۔ لکشمی مینشن کے اس نوجوان کراؤڈ کی ایک اپنی ڈ تھی... ان میں معزز صرف وہی لڑکا سمجھا جاتا تھا جو گیری کوپر یا گلین فورڈ کے سٹائل ں کولہوں پر ہاتھ رکھ کر ذرا کاؤ بوائے انداز میں چلے اور ہر دوسرے شخص کو "مسٹر یو آر آراؤنڈ ہیئر —" کہہ کر مخاطب کرے۔ بہت عرصہ بعد پنجابی فلموں میں یہی فقرہ "نواں یاں ایں سوہنیا" کے طور پر مصطفیٰ قریشی نے رائج کیا۔ ہر لڑکے کا ایک فیورٹ ایکٹریا

ایکٹرس ہوتی تھی اور اُس پر لازم تھا کہ وہ اپنی پسندیدہ اداکارہ یا اداکار کی تصویر جہاں
شائع ہو اُس رسالے یا اخبار کو اپنی غربت کے باوجود خریدے اور اُسے کاٹ کر اپنی البم
چپکا لے اور پھر شیخی بگھارتے ہوئے اعلان کرے کہ مسٹر آ گاٹ اے نیو پکچر آف
ممز...

سرِ شام مینشن کے باغیچے کے گرد تھڑے آباد ہو جاتے اور فلیٹوں کی بالکو
میں کچی عمر کی لڑکیاں اور اُن کی شیپران خواتین براجمان ہو جاتیں۔ ایک آدھ پھول یا
کا اوپر سے آنا اور آپ کے آس پاس لینڈ کر جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہوتا۔
آئیڈیل، امریکی کاؤ بوائز تھے اس لیے پسندیدہ پہناوا تنگ پتلونیں، چیک شرٹس، کھلے
میں سکارف اور بڑے بڑے ہیٹ تھے۔ یہ ہیٹ عام طور پر لنڈا بازار سے خریدے
اور غالباً دوسری جنگِ عظیم میں ایمپائر کے دفاع میں کام آنے والے گورکھا سپاہیوں
ہوتے۔ اس ہیٹ کو پہننے والے کا یہ فرض ہوتا کہ وہ اُس کا چھجہ اپنی آنکھوں کے آگے
جھکا لے کہ اُسے سامنے سے کچھ نظر نہ آئے اور وہ بے شک ٹھوکریں کھاتا پھرے اور
سے بھی ٹکرائے بصد ادب چھجے کو چھو کر "سوری میم" یا "بیگ یور پارڈن مسٹر —
کر آگے بڑھ جائے... اور آگے جا کر پھر ٹھوکر کھائے یا کسی راہ گیر سے ہم آغوش
جائے... لیکن سٹائل کے لیے قربانیاں تو دینی ہی پڑتی ہیں...

مشاہد جب ایک ہاتھ میں تھیلا لٹکائے دوسرے میں کانسی کا کٹورہ پکڑے گھر
سلف اور دہی لانے کے لیے بیڈن روڈ کی طرف جاتا تو یہ کراؤڈ اُس سے کچھ فاصلے
رہتا... اُس جھانپڑ کی وجہ سے.... کبھی آپا جی ننھے مردان کو بھی ہمراہ کر دیتیں کہ
تین روز سے اس تیسری منزل پر قید ہے ذرا سیر کروا لاؤ ورنہ اس کی ٹانگیں ٹیڑ
جائیں گی اور وہ کٹورہ مردان کو تھما کر خالی ہاتھ سے اُس کی انگلی پکڑ کر ساتھ لے جاتا
دنوں جو کالیاں سے چاچا محمد بخش اُس کے ابا جی کی "خبر" لینے آیا۔ ابا جی کو تین ماہ
سا بخار ہوا تھا اور یہ خبر گاؤں ذرا سجے سجے پہنچی تھی اور اب چاچا اپنے بھرا کی "خبر"
تھا... مشاہد جانتا تھا کہ گاؤں کے بیشتر رشتے دار اُن کی خیر خبر کے لیے نہیں بلکہ لاہ
آؤٹنگ کرنے کے لیے آتے تھے اور اس آؤٹنگ میں چڑیا گھر اور عجائب گھر سر
ہوتے تھے... اور یہ ڈیوٹی مشاہد کی تھی — مشاہد بیٹے ذرا چاچے کو چڑیا گھر تو
میرے بیٹے — اور مشاہد اِس چاچے کو چڑیا گھر لے جانے کے لیے فلیٹ کی بادن سے

سے نیچے اُترا اور دونوں بیڈن روڈ کی جانب چلنے لگے... مُجّی کے فلیٹ کی سیڑھیوں کے قریب مینشن کراؤڈ اُنہیں بے حد دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک پینڈو بچہ اور اُس کے ہمراہ ایک سچ مچ کا دیہاتی گنوار، کھدر کے کُرتے اور تہمد میں ملبوس، سر پر بھی کھدر کی ایک ڈھیلی سی پگڑی اور پاؤں میں اورینٹل سٹائل کے دیسی نوکدار جوتے... اُن میں سے پیٹر اور پال نے ہمت کی اور اُن کے قریب آ گئے — ہیلو — مشاہد چوکنا ہو گیا۔ شدت کی گرمی اور حبس کے باوجود یہ دونوں حضرات گورکھا ہیٹ پہنے ہوئے تھے اور فیشن کے مطابق اُن کے چھجے اُن کی ناکوں تک آئے ہوئے تھے۔

"ہاؤ ڈی؟" پال نے ہیٹ کے چھجے کو چھُو کر ذرا جھُک کر چاچے محمد بخش سے کہا.. چاچے نے ہراساں ہو کر مشاہد کی طرف دیکھا۔

"ہوز دِس گائی؟" پیٹر نے ایک نرم دل کاؤبوائے کے سٹائل میں پوچھا۔

"یہ میرا انکل ہے" مشاہد نے "انکل" کا لفظ کچھ جارحانہ انداز میں ادا کیا کہ کر لو تو کچھ کرنا ہے۔

"اور یہ انکل کیا کرتا ہے؟"

"اس کی زمین ہے گاؤں میں — اور مال مویشی ہیں —"

"اور کیا اس کے پاس کاؤز بھی ہیں اس... انکل کے پاس؟" پیٹر بھی ہمت کر کے آگے آ گیا۔

"ہاں... ہیں... اور گدھے بھی ہیں اور بھینسیں بھی ہیں اور کاؤز بھی ہیں... تمہیں کس سے کیا..." مشاہد کا پارہ چڑھنے لگا لیکن اُدھر پال اور پیٹر یکدم موم ہو گئے، اُنہوں نے اپنے ہیٹ سر سے اٹھا کر تھوڑی دیر اُنہیں فضا میں تھامے رکھا پھر اُنہیں سر پر رکھ کر چاچے محمد بخش کے آگے جھُک گئے "ہاؤ ڈی مسٹر —" اور ہاتھ آگے کر دیئے۔

چاچے نے بھی قدرے خوشگوار موڈ میں راضی ہو کر اُن سے ہاتھ ملا لیا۔

"ڈیو یو نو — ہی از آور فرسٹ رئیل کاؤبوائے —" پال اور پیٹر کی مسرت میں کہیں بھی تضحیک کا کوئی پہلو نہ تھا.. وہ حقیقتاً اپنی زندگی کا پہلا کاؤبوائے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔ "اینڈ وہاٹ اِز یور نیم مسٹر؟"

"مشاہد —" اُس نے بیزاری سے جواب دیا اور پھر چاچے محمد بخش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے آگے چلنے کو کہا۔

"ہاؤ ڈی مش — " اب اُن دونوں نے باری باری مشاہد سے ہاتھ ملایا اپنے ہیٹ سنبھالتے اپنے دوستوں کے پاس چلے گئے..

مشاہد کے لیے مینشن کراؤڈ کی ممبر شپ کا یہ پہلا دن تھا..

چند روز بعد جب مشاہد نے اپنی والدہ کو جنہیں وہ آپا جی کہا کرتا تھا "ہائے کہہ کر پکارا تو آپا جی سناٹے میں آ گئیں۔

مشاہد کی ذات کے کورے کھدر کی سفیدی میں مینشن کا گوڑھا رنگ چڑھے دھاری دار پاجامہ جو گوالمنڈی کے علاقے میں Ultimate سمجھا جاتا تھا متروک ہو اُس کی جگہ ہپ پاکٹس والی دو پتلونیں آ گئیں البتہ گورکھا ہیٹ کے ساتھ اُس کی م نہ ہو سکی اور وہ منہ بگاڑ کر "ہاؤ ڈی" بھی نہ کہہ سکا... اِسی دوران اُسے مینشن کرا ساتھ مکمل یکجہتی کے اظہار کے طور پر اپنے فیورٹ ایکٹر اور ایکٹریس کا انتخاب بھی کر چنانچہ بے حد گہرے غور و خوض کے بعد قرعۂ فال ایوا گارڈنر اور سٹیورٹ گرینجر پڑا... ایوا کو وہ "بیئر فٹ کانٹیسا" میں دیکھ چکا تھا اور وہ دنگ رہ گیا کہ کیا کسی خاتون... اُس عمر میں ابھی بہت جنسی لفظ تھا... تو کیا کسی خاتون کی رنگت اتنی گوری اور دودھ سکتی ہے خاص طور پر گردن کے عین نیچے۔ اور پھر "سنوز آف کلی منجاروز" نے فیصلہ دیا.. وہ منظر فیصلہ کُن ثابت ہوا جس میں ایک پیرسین نائٹ کلب کے نیم تاریک میں اور دھویں میں گم ایوا کا کشش والا چہرہ ظاہر ہوتا ہے، سُرخ تیز سُرخ ہونٹوں والا چہ وہ اپنی ہسکی آواز میں اپنا سگرٹ سلگانے کے لیے گریگوری پیک کے قریب آتی ہے منظر نے مینشن کے کراؤڈ کی زندگی پر گہرے اثرات ڈالے تھے اور یہ اثرات گہرے ہی تھے کہ ان میں سے ہر کاؤ بوائے نے یہ فلم کم از کم پندرہ بیس مرتبہ تو ضرور تھی.... سٹیورٹ گرینجر کی اداکاری سے زیادہ مشاہد کو اُس کے سفید سائڈ برنز بے حد آئے تھے... سٹیورٹ کے حق میں یہ فیصلہ اُس کی شمشیر زنی میں مہارت کی وجہ سے کیا گیا جو فلم "سکاراموش" میں کمال کی تھی.... اب وہ مکمل طور پر مینشن کراؤڈ کا ممبر چکا تھا... کانسی کے کٹورے میں دہی لانے کا کام چھوٹے مردان کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن جی آپا جی ہی رہیں کیونکہ جس روز اُس نے اُنہیں "ہائے موم" کہہ کر پکارا تھا اُنہوں دھواں لگے چمٹے سے اُس کی مرمت کی تھی اور کہا تھا کہ مشو کے بچے خبردار جو آئندہ چُوڑوں کی زبان میں موم شوم کہا... دونوں کان اکھاڑ دوں گی تیرے... ہائے میرے

انگریزی بولتا ہے۔

بیڈن روڈ کی جانب مینشن میں سے جو چھوٹا سا راستہ نکلتا تھا اُس کی نکڑ پر جوس والے خان کا کھوکھا تھا اور وہاں سے دمٹو اور بنٹے والی سوڈے کی بوتلیں بھی ملتی تھیں۔ اس کھوکھے کے برابر میں شیرازی ہوٹل تھا جہاں اُس نے پہلی بار گروچو مارکس کو دیکھا تھا... ہوا یوں کہ گھر میں آپا جی نے ٹینڈے کریلے قسم کی کوئی واہیات سی سبزی پکا رکھی تھی اور اُس نے اسے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہونے کے ناتے وہ کچھ خصوصی مراعات کا حقدار تھا اور اُن میں سے ایک یہ تھی کہ پسند کا کھانا نہ پکنے کی صورت میں وہ بازار سے دو شامی کباب لا کر روٹی اُن کے ساتھ کھا سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے دستر خوان تہہ کر کے نیکر کی جیب میں ڈالا اور اُس گرم اور لُو سے لُوستی دوپہر میں فلیٹ کی باون سیڑھیاں اُتر کر گلی میں آیا اور گلی کے سامنے بیڈن روڈ کے ناکے پر واقع "شیرازی ہوٹل" پہنچ گیا... اور اُسی لمحے گروچو مارکس اپنی دبیز مونچھوں کو سنوارتا شیرازی ہوٹل سے باہر آ رہا تھا۔ وہ اُس کی توقع کے برعکس قدرے لمبے قد کا تھا، وہ بوڑھے انگریزوں کی طرح خاکی رنگ کی ایک ڈھیلی پتلون میں ملبوس تھا اور یہ پتلون گرتی اس لیے نہیں تھی کہ اُس کے ساتھ گیلس لگے ہوئے تھے۔ گروچو کے سر پر ایک سولا ہیٹ تھا جس کے چھجے پر ہاتھوں کی میل سے بچاؤ کے لیے پلاسٹک کا ایک ٹکڑا آویزاں تھا۔ مشاہد کے چہرے کا رنگ بدل گیا... اوہ گروچو مارکس، یہاں، لکشمی مینشن میں، اوہ کرائسٹ... گروچو کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے وہ ٹیکتا ہوا بیڈن روڈ کی جانب چلا گیا۔ شامی کباب خریدتے ہوئے اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے "خان صاحب —" اُس نے شیرازی ہوٹل کے مالک کو دستر خوان دیتے ہوئے پوچھا "یہ... یہ جو صاحب تھا تو یہ انگریز تھا؟"

"کیا مالوم... ادھر آتا ہے روٹی کھاتا ہے؟"

"لیکن خاں صاحب... کیا یہ انگریز ہے؟"

"بچہ... یہ آتا ہے روٹی کھاتا ہے.. جب کوئی بندہ روٹی کھاتا ہے تو کیا پتہ چلتا ہے کہ یہ انگریز ہے جو روٹی کھاتا ہے یا اوھر دیسی ہے جو روٹی کھاتا ہے.. پر روز آتا ہے —"

"کتنے بجے؟"

"دوپہر کو آتا ہے — ایک بجے۔"

مشاہد نے شامی کباب کاؤنٹر پر ہی چھوڑے اور اُڑتا ہوا پیٹر اور پال کے فلیٹ پر